© rasailojaraid.com

کلام اقبال کی تاثیر موقع و محل کے اعتبار سے

پروفیسر محمد اسلم پنجاب یونیورسٹی لاہور،

ڈاکٹر محمد یوسف حسین خاں مرحوم اپنی خود نوشت سوانح حیات "یادوں کی دنیا" میں تحریر فرماتے ہیں کہ مشہور امریکی ادیب والٹ ہٹ من نے ایک جگہ لکھا ہے کہ اس سے بڑا فرق پیدا ہو جاتا ہے کہ ایک آدمی ایک کتاب کہاں پڑھ رہا ہے۔ والٹ ہٹ من لکھتا ہے کہ اسے دانتے کی ڈیوائن کومیڈی کو جنگل میں پڑھنے میں جو لطف ملا وہ شہر میں پڑھنے میں کبھی نہیں ملا۔ اسی طرح ہومر کی الیڈ کا لطف سمندر کے کنارے دو بالا ہو جاتا ہے۔

ڈاکٹر یوسف حسین خاں خود اپنا تجربہ بیان کرتے ہیں کہ انہیں دیوان غالب پڑھنے کا جو مزہ جنوبی فرانس کے شہر تولون میں آیا ویسا مزہ اور کہیں نہیں آ سکتا۔ راقم الحروف کو بھی اسی طرح کے تجربات سے دوچار ہونا پڑا ہے۔ مجھے خوب یاد ہے کہ آج سے تقریباً ربع صدی قبل میں نے حضرت مرزا مظہر جانجاناں کی مشہور غزل جس کے چند اشعار یہ ہیں:۔

قفس از مشہد ما مشت خونی وام می گیرد
کہ تا رنگین کند ہنگامہ روز قیامت را

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بنا کر دند خوش رسمے بخون و خاک غلطیدن

خدا رحمت کند این عاشقان پاک طینت را

دماغ من در ینجا گاہ گاہی چاق می گردد

خدا آباد تر سازد خرابات محبت را

بجائے سنگ طفلاں پارہائے شیشہ باید زد

چو مظہر مرزا دیوانہ نازک طبیعت را

دہلی میں ان کے مزار پرانوار پر بیٹھ کر پڑھی تو ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ میں واقعی خرابات محبت میں بیٹھا مرزا صاحب کا کلام پڑھ رہا ہوں اسی طرح ایک بار مجھے پانی پت میں قلندر صاحب کی درگاہ کے احاطے میں خواجہ الطاف حسین حالی کے مزار پر بیٹھ کر ان کی مشہور مناجات :-

اے خاصۂ خاصان رسل وقت دعا ہے

امت پہ تری آکے عجب وقت پڑا ہے

جو دین بڑی شان سے نکلا تھا وطن سے

پردیس میں وہ آج غریب الغربا ہے

جس دین کے مدعو تھے کبھی قیصر و کسریٰ

خود آج وہ مہمان سرائے فقرا ہے

وہ دین ہوئی بزم جہاں جس سے چراغاں

اب اس کی مجالس میں نہ بتی نہ دیا ہے

پڑھنے کی سعادت ملی اس وقت بھی یوں محسوس ہو رہا تھا کہ خاصۂ خاصان رسل کے بنفس نفیس وہاں موجود ہیں اور میری مناجات حالی کے الفاظ میں سماعت فرما رہے ہیں راقم الحروف کو متعدد بار مغربی انگلستان کے لیک ڈسٹرکٹ جانے اور وہاں مشہور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جھیل گراسمیئر دیکھنے کا موقع ملا یہی وہ جھیل ہے جس کے کنارے ورڈز ورتھ نے اپنی لافانی نظم ڈیفوڈلز لکھی تھی آج بھی اس جھیل کے کنارے تا حد نظر ڈیفوڈلز لہلہاتے نظر آتے ہیں تو قطرے میں سمندر اور ذرے میں آفتاب دیکھنے والی نظریں ان قدرتی مناظر میں خالق کائنات کا جلوہ دیکھ لیتی ہیں۔

ورڈز ورتھ کو وحدت الوجودی شاعر مانا جاتا ہے اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس نے مناظر قدرت پر بہترین نظمیں لکھی ہیں۔ میں نے اس کی مشہور نظم ٹنٹرن ایبے پڑھی اور پھر ٹنٹرن ایبے دیکھنے گیا۔ یہ مقام ویلز اور انگلستان کی سرحد پر وائی ندی کے کنارے واقع ہے ایک سرسبز وادی جو چاروں طرف سے سرسبز پہاڑوں سے گھری ہوئی ہے۔ پیالے کی مانند نظر آتی ہے اس وادی میں سے ایک ندی لہراتی اور بل کھاتی ہوئی گذرتی ہے ندی کے کنارے ایک شکستہ گرجا کی فلک بوس عمارت کھڑی ہے اس عمارت کی عظمت رفتہ اور اس کے ماحول سے متاثر ہو کر ورڈز ورتھ نے اپنی لافانی نظم ٹنٹرن ایبے لکھی تھی۔ اس نظم میں وحدت الوجود کا سمندر ٹھاٹھیں مارتا ہوا نظر آتا ہے اور قارئین پیالہ میں عکس رُخ یار کا مشاہدہ کر لیتے ہیں۔

یہ بات ظاہر ہے کہ ورڈز ورتھ کی ڈیفوڈلز پڑھنے کا جو لطف جھیل گراسمیئر کے کنارے آئے گا ویسا لطف اور کسی جگہ نہیں آسکتا۔ اسی طرح ٹنٹرن ایبے پڑھنے میں جو سرور ٹنٹرن ایبے کے قریب وائی ندی کے کنارے ملتا ہے ویسا کسی دوسری جگہ نہیں مل سکتا۔ اسی طرح حافظ شیرازی کی یہ غزل:-

خوشا شیراز و وضع بے مثالش — خداوندا نگہدار از زوالش
ز رکنا باد ما صد لوحش اللہ — کہ عمر خضر می بخشد زلالش
میان جعفر آباد و مصلیٰ — عبیر آمیز می آید شمالش
بشیراز آی و فیض روح قدسی — بجواہ از مردم صاحب کمالش

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے پڑھنے کا لطف شیراز ہی میں آسکتا ہے۔

آمدم برسر مطلب ۱۹۶۸ء میں راقم الحروف کو ایک پارسا کی معیت میں وادی کشمیر کی سیاحت کا موقع ملا اور اس سفر میں مجھے سری نگر کے علاوہ پہلگام، ٹنگمرگ، گلمرگ، اچھابل، کوکرناگ اور اسلام آباد جانے کا بھی اتفاق ہوا۔ کوکرناگ میں پہاڑ کے دامن میں ایک چشمہ جاری ہے جس سے چاندی جیسا سفید و شفاف پانی اچھل اچھل کر نکل رہا تھا۔ یہ پانی ایک ندی کی صورت میں بالآخر دریائے جہلم میں جا ملتا ہے چشمہ کے قریب تا حد نظر گلاب کی کاشت ہوئی ہے۔ اور چنار کے درخت عجب بہار دکھاتے ہیں ہمارے میزبانوں نے ہمارے لئے چنار کے ایک درخت کے نیچے کرسیاں بچھا دیں۔ اور ہم قدرت کے حسین مناظر میں کھو گئے۔

اس وقت مجھے علامہ اقبال کے یہ اشعار یاد آئے اور اس کے بعد ایسا محسوس ہوا کہ یہ اشعار اسی جگہ پڑھنے کے لائق ہیں اگر انہیں حیدر آباد سندھ سے کراچی جاتے ہوئے ریل گاڑی میں پڑھا جائے یا ان کا درۂ خیبر سے گذرتے وقت مطالعہ کیا جائے تو پھر خاک مزہ نہ آئے گا۔[1] وہ اشعار ملاحظہ ہوں:-

رخت بہ کاشمیر کشا کوہ و تل و دمن نگر
سبزہ جہاں جہاں بہ بیں لالہ چمن چمن نگر
باد بہار موج موج مرغ بہار فوج فوج
صلصل و سار زوج زوج بر سر نارون نگر
لالہ ز خاک بر دمید موج بآب جو تپید
خاک شرر شرر بہ بیں آب شکن شکن نگر

---

[1] حیدر آباد سے کراچی تک سفر کرتے ہوئے خشک علاقہ میں تا حد نظر تھوہڑ (زقوم) کے علاوہ اور کچھ نظر نہیں آتا۔ درۂ خیبر بھی بے آب و گیاہ جگہ ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

زخمہ بہ تار ساز زن بادہ بہ ساتگین گریز

قافلۂ بہار را انجمن انجمن نگر

اب آپ ہی دیکھئے کہ ہمارے قریب چشمہ کا پانی آب شکن شکن نگر کی تشریح کر رہا تھا چنار کے درختوں پر صلصل و سار زوج زوج بیٹھے نغمہ سنجی میں مصروف تھے، ندی کا پانی بانگ بیدکا سماں باندھ رہا تھا گلاب۔ کے پھول لالہ چمن چمن نگر کا منظر پیش کر رہے تھے اور پہاڑوں پر اگے ہوئے دیودار کے درخت سبزہ جہاں بہ بیں کی غمازی کر رہے تھے پھولوں کی رنگت خاک شرر بہ شرر بہ بیں کی ترجمانی کر رہی تھی چاروں طرف بہار فوج فوج آئی ہوئی تھی ایسے میں اگر کوئی زخمہ بہ تار ساز زن شروع کر دیتا تو ہمارے دلچسپانہ ہونے میں کیا کسر باقی رہ جاتی۔ اگر ایسا منظر دیکھ کر شاعر فطرت بے اختیار قافلۂ بہار را انجمن انجمن نگر نہ کہے تو اور کیا کہے گا۔

ہماری رہائش حضرت بل میں کشمیر یونیورسٹی کے صدر دروازے کے بالمقابل محکمۂ وقاف کے ایک نئے تعمیر کردہ مہمان خانے میں تھی سامنے ڈل کا منظر تھا ڈل کے عقب میں چشمۂ شاہی، نشاط باغ اور شالامار باغ تھے حضرت بل سے شہر جاتے ہوئے ہمیں اشائی باغ سے گذرنا ہوتا تھا۔ پل کے دونوں جانب بید مجنوں کے درخت تھے جن کی ٹہنیاں جھک کر سطح آب سے سرگوشیاں کرتی نظر آتی ہیں یہیں آپ کو تیرتے ہوئے کھیت ملیں گے جو کشمیر کے علاوہ اور کہیں نظر نہیں آتے۔ کبھی کبھی پھل اور سبزی بیچنے والی دوشیزہ اپنا شکارہ کھیتے ہوئے نگین باغ کی طرف جاتے ہوئے آجاتی ہیں نگین باغ میں صدہا ہاؤس بوٹ کھڑے تھے جن میں اہل ثروت رہائش پذیر تھے۔

اشائی باغ کے پل سے گذرتے وقت علامہ اقبال کے ان اشعار کی طرف میری توجہ مبذول ہو جاتی تو ان اشعار کا لطف سہ آتشہ ہو جاتا تھا وہ اشعار یہ ہیں۔

صف باندھے دونوں جانب بوٹے ہرے ہرے ہوں
ندی کا صاف پانی تصویر لے رہا ہو
ہو دل فریب ایسا کہسار کا نظارہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پانی بھی موج بن کر اٹھ اٹھ کے دیکھتا ہو
پانی کو چھو رہی ہو جھک جھک کے گل کی ٹہنی
جیسے حسین کوئی آئینہ دیکھتا ہو

ان اشعار کو دیکھ کر یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علامہ کو منظر کشی میں ید طولیٰ حاصل تھا وہ صرف لفظوں کے طلسم سے فطرت کی بڑی عمدہ تصویر کھینچ دیتے تھے انہوں نے دریائے نیکر کے کنارے اور مسجد قرطبہ پر جو نظمیں لکھی ہیں وہ ان کی منظر کشی کا بہترین نمونہ ہیں۔ اگر اقبال مصور بھی ہوتے تو اس سے بہتر منظر کشی نہیں کر سکتے تھے۔

۱۹۶۸ء میں راقم الحروف کو علی گڈھ جانے کا موقعہ ملا جولائی کے دن تھے پنجاب میں اس سال شدت کی گرمی پڑی تھی۔ میں مئی اور جون کی گرمی لاہور میں برداشت کر کے علی گڈھ گیا تو مولانا سعید احمد صاحب اکبر آبادی نے فرمایا کہ چند روز کے لئے پہاڑ پر چلے جاؤ۔ میں اپنی اہلیہ اور بڑے بچے ظفر کو ساتھ لے کر علی گڈھ سے بریلی ہوتا ہوا کاٹھ گودام پہونچا۔ یہ چھوٹی لائن کا آخری اسٹیشن ہے وہاں سے ہمیں ایک ٹیکسی مل گئی اور ہم نینی تال روانہ ہوئے۔ ستائیس میل کا یہ راستہ ہمالیہ کے دامن سے گذرتا ہے اور درختوں نے سڑک کو ڈھانپ رکھا ہے ہمیں ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ ہم ایک سرسبز سرنگ میں سے گذر رہے ہیں۔ ہر دو تین فرلانگ کے بعد آبشار ملتی تھی کوئی گھنٹہ سوا گھنٹہ میں ہم نینی تال پہونچ گئے۔

بس اسٹینڈ سے ہمالیہ کی کئی فلک بوس چوٹیاں نظر آ رہی تھیں ہمالیہ کو دیکھ کر مجھے علامہ اقبال کے یہ اشعار یاد آ گئے؎

اے ہمالہ! اے فصیلِ کشورِ ہندوستاں!
چومتا ہے تیری پیشانی کو جھک کر آسماں!
مجھ میں کچھ پیدا نہیں دیرینہ روزی کے نشاں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تو جواں ہے گردشِ شام و سحر کے درمیاں
ایک جلوہ تھا کلیمِ طورِ سینا کے لیے
تو تجلّی ہے سراپا چشمِ بینا کے لیے
تیری عمرِ رفتہ کی اک آن ہے عہدِ کہن
وادیوں میں ہیں تری کالی گھٹائیں خیمہ زن
چوٹیاں تیری ثریا سے ہیں سرگرمِ سخن۔
تو زمیں پر اور پہنائے فلک تیرا وطن۔
چشمۂ دامن ترا آئینۂ سیّال ہے
دامنِ موجِ ہوا جس کے لیے رومال ہے

نینی تال سطحِ سمندر سے ساڑھے چھ ہزار فٹ بلند ہے وہاں کوئی سوا میل لمبی اور نوّے فٹ گہری جھیل ہے جو آنکھ سے مشابہت رکھتی ہے اس کے ایک طرف ہوٹل ہیں جنگلی کھڑکیاں جھیل کی طرف کھلتی ہیں اور دوسری جانب ایک بلند و بالا پہاڑ ہے جس پر گورنر کا بنگلہ بنا ہوا ہے ہمارے ہوٹل کے عقب میں بھی پہاڑ تھا بارش کا پانی اور نچاتا اور پتھروں سے ٹکراتا ہوا نیچے آتا۔ ہر ہوٹل کے دونوں جانب پختہ نالے بنے ہوئے تھے جن کے ذریعہ وہ پانی جھیل میں جا گرتا تھا نینی تال کی روح پرور فضا چیڑ درختوں کی خوشبو بہتا ہوا سیماب جیسا پانی ہوٹل کے برآمدوں میں لٹکے ہوئے گملوں کی خوش رنگ کلیاں، پہاڑ کی ڈھلوان پر خودرو پھول دیکھ کر حضرت علامہ کے یہ اشعار آ گئے۔

رنگ ہا بو ہا ہوا ہا آب ہا ۔ آب ہا تابندہ چوں سیماب ہا
لالہ اندر خلوتِ کہسار ہا ۔ نار ہا یخ بستہ اندر نار ہا۔

بالکل ایسا ہی منظر ہمیں سنہ ۱۹۷۰ء میں پہلگام میں نظر آیا نو ہزار فٹ بلند سرسبز پہاڑ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے دامن سے دریائے لدھر وگذرتا ہے دوسری جانب چھوٹا سا بازار اور گنتی کے چند ہوٹل ہیں۔ ہم یام ویو ہوٹل میں ٹھہرے، چندے آرام کے بعد سیر کو نکلے تو دریا کے کنارے امرتسری تاجروں کی تعمیر کردہ مسجد دیکھی، مسجد میں وضو کا انتظام نہیں اور وضو کیلئے لدھر و تک سیڑھیاں اترتی ہیں نماز مغرب کا وقت ہورہا تھا اور پہاڑوں پر شفق کی سرخی کا عکس پڑنے لگا تھا۔ پہاڑوں پر درخت چپ چپ کھڑے تھے جیسے رات کی تاریکی کے خوف سے سہمے ہوئے ہوں۔ لدھر وکی موجیں مسجد کی دیواروں کو چھونے آتی تھیں۔ پانی کے پتھروں سے ٹکرانے سے عجیب سی آواز پیدا ہوتی۔ بے ذوق قسم کے لوگ تو اسے شور بیجا ہی کہیں گے۔ لیکن صوفی باصفا کی توجہ فوراً يُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کی طرف مبذول ہو جاتی ہے اور اسے اس شور بیجا میں نغمہ توحید سنائی دینے لگتا ہے۔

لدھر و کو دیکھ کر مجھے علامہ اقبال کے یہ شعر یاد آ گئے اور ان اشعار نے جو لطف پہلگام میں لدھر و کے کنارے دیا ویسا لطف شاید ہی کسی دوسری جگہ آئے۔ وہ اشعار یہ ہیں:

آتی ہے ندی فراز کوہ سے گاتی ہوئی کوثر و تسنیم کی موجوں کو شرماتی ہوئی
آئنہ سا شاہد قدرت کو دکھلاتی ہوئی سنگ رہ سے گاہ بچتی گاہ ٹکراتی ہوئی

چھیڑتی جا اس عراق دل نشیں کے ساز کو
اے مسافر دل سمجھتا ہے تری آواز کو

لیلیٰ شب کھولتی ہے آکے جب زلف رسا دامن دل کھینچتی ہے آبشاروں کی صدا
وہ خموشی شام کی جس پر تکلم ہو فدا وہ درختوں پر تفکر کا سماں چھایا ہوا

کانپتا پھرتا ہے کیا رنگ شفق کہسار پر
خوشنما لگتا ہے یہ غازہ ترے رخسار پر

یادش بخیر! مولانا ابو العرفان ندوی اور مولانا مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی میرے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تھے مفتی صاحب دریا کا نام بھول جاتے اور چند منٹ بعد مجھ سے پوچھتے! کیوں بھئی اس دریا کا بھلا کیا نام ہے؟ میں جواب میں پھر عرض کرتا تو دو تین بار اس نام کو دہراتے اور چند منٹ بعد پھر وہی سوال ہوتا کیوں بھئی اس دریا کا بھلا کیا نام ہے!

اگر کسی صاحب نے کبھی سمندر کے کنارے بیٹھ کر طلوع یا غروب آفتاب کا منظر دیکھا ہو تو اس سے پوچھیے کہ سورج کس طرح اچھل کر سمندر کی سطح سے ابھرتا ہے اور اسی طرح غروب ہوتے وقت سمندر میں ڈبکی لگا جاتا ہے۔ ہمارے ایسے شہروں کے باسی فطرت کے اس منظر سے ناآشنا ہیں۔ مولانا عبداللہ قریشی نے راقم الحروف کو بتایا کہ ایک بار علامہ اقبال، چوہدری محمد ناظر، مولوی احمد دین، صاحبزادہ محمد عمر اور منشی سراج الدین کشتی میں سوار ڈل کی سیر کر رہے تھے علامہ مرحوم نے سورج کو ڈوبتے دیکھ کر فی البدیہہ کہا ؎

تماشائے ڈل کن کہ ہنگام شام ، دہد شعلہ را آشیاں زیر آب
بشوید ز تن تا غبار سفر ، زند غوطہ در آب ڈل آفتاب

یہ بات شاعر فطرت ہی کہہ سکتا تھا کہ سورج دن بھر کے سفر سے تھک گیا تھا اس لئے وہ رخصت ہوتے وقت ڈل میں نہا کر گرد سفر اپنے بدن سے اتار گیا۔

علامہ اقبال نے یورپ جاتے ہوئے عرشۂ جہاز سے کئی بار غروب آفتاب کا منظر دیکھا تھا جن لوگوں نے یہ منظر دیکھا ہے وہی ان اشعار کا لطف اٹھا سکتے ہیں ؎

سورج نے جاتے جاتے شام سیہ قبا کو
طشت افق سے لے کر لالے کے پھول مارے
پہنا دیا شفق نے سونے کا سارا زیور
قدرت نے اپنے گہنے چاندی کے سب اتارے
محمل میں خامشی کے لیلائے ظلمت آئی
چمکے عروس شب کے موتی وہ پیارے پیارے
وہ دور رہنے والے ہنگامۂ جہاں سے
کہتا ہے جس کو انساں اپنی زباں میں تارے

یہ ۱۹۶۷ء کا ذکر ہے میں بچوں کے ساتھ علی گڑھ گیا ہوا تھا جولائی کا مہینہ تھا ایک روز میں نے اپنے بڑے بیٹے ظفر سے جس کی عمر اس وقت گیارہ سال کے لگ بھگ تھی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہا! کہ چلو تمہیں آگرہ دکھالاؤں علی گڈھ سے آگرہ کوئی تریپن میل ہے اور بس یہ سفر ڈیڑھ گھنٹہ میں طے کرلیتی ہے ہم دونوں قبل دوپہر آگرہ پہونچ گئے وہاں ایک ہوٹل میں قیام کیا اور دوپہر کا کھانا کھا کر سکندرہ چلے گئے وہاں اکبر کا مقبرہ دیکھا اور عصر کے قریب ہم قلعہ دیکھنے گئے قلعہ سے فارغ ہوکر ہم تاج محل پہونچے۔ گھنٹہ بھر اسے خوب دیکھا بلکہ یوں کہیے کہ تاج کے حسن کو اپنے اندر جذب کرتے رہے نماز مغرب کے بعد ہم نے تقریباً گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ چاند طلوع ہونے کا انتظار کیا۔

اس دوران میں آپ اندازہ نہیں کرسکتے کہ تاج کے باغ میں ہزاروں کی تعداد میں جگنو جھلملاتے ہوئے نظر آئے۔ جمنا کا کنارہ تاج کا باغ برسات کی رات اور گھپ اندھیرے میں جگنوؤں کی جھلملاہٹ ایک عجیب سماں باندھ رہی تھی میں صحیح عرض کرتا ہوں کہ وہاں اقبال کے ان اشعار نے جو لطف دیا وہ پہلے کبھی نہیں ملا تھا حضرت علامہ فرماتے ہیں ؎

جگنو کی روشنی ہے کاشانۂ چمن میں ۔۔۔ یا شمع جل رہی ہے پھولوں کی انجمن میں
آیا ہے آسماں سے اُڑ کر کوئی ستارہ ۔۔۔ یا جان پڑ گئی ہے مہتاب کی کرن میں
یا شب کی سلطنت میں دن کا سفیر آیا ۔۔۔ غربت میں آکے چمکا گمنام تھا وطن میں
تکمہ کوئی گرا ہے مہتاب کی قبا کا ۔۔۔ ذرہ ہے یا نمایاں سورج کے پیرہن میں

۲۲ جولائی سنہ ۱۹۷۸ء کا ذکر ہے غالب اکیڈمی بستی حضرت نظام الدینؒ میں احوال و آثار حضرت مجدد الف ثانیؒ کے موضوع پر میری تقریر تھی ڈاکٹر یوسف حسین خاں مرحوم کرسی صدارت پر رونق افروز تھے جامعہ ملیہ اسلامیہ اور دہلی یونیورسٹی کے اساتذہ بڑی تعداد میں آڈیٹوریم میں موجود تھے۔ تقریر کے اختتام پر چائے کا انتظام تھا اس موقعہ پر دہلی کی نامور شخصیتوں سے ملاقات ہوئی تقریر کے اختتام پر غالب آشفتہ سر کے مزار پر حاضری دی تو معاً میرے ذہن میں علامہ اقبال کے یہ اشعار ذہن میں آگئے ؎

نطق کو سو ناز ہیں تیرے لب اعجاز پر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

محوِ حیرت ہے ثریا رفعتِ پرواز پر
شاہدِ مضموں تصدق ہے ترے انداز پر
خندہ زن ہے غنچۂ دلّی گلِ شیراز پر
آہ تو اُجڑی ہوئی دلّی میں آرامیدہ ہے
گلشنِ ویمر میں تیرا ہم نوا خوابیدہ ہے

روایت ہے کہ ایک بار حضرت علامہ دہلی تشریف لائے تو خواجہ حسن نظامی نے غالب کے مزار پر قوالی کا اہتمام کیا اس موقعہ پر قوالوں نے غالب کی یہ غزل چھیڑی ؎

دل سے تری نگاہ جگر تک اتر گئی
دونوں کو اک ادا میں رضامند کر گئی
شق ہو گیا ہے سینہ، خوشا لذتِ فراغ
تکلیفِ پردہ داریٔ زخمِ جگر گئی
وہ بادۂ شبانہ کی سرمستیاں کہاں
اٹھیے بس اب، کہ لذتِ خوابِ سحر گئی

راوی کہتا ہے کہ جب قوال بار بار "اٹھیے بس اب، کہ لذتِ خوابِ سحر گئی" دہراتے تو یوں محسوس ہو رہا تھا کہ غالب آنکھیں ملتا ہوا قبر سے باہر نکل آئے گا۔

غالب کے مزار سے باہر نکلا تو "چبوترۂ یاران" کے پاس سے گذرتا ہوا درگاہ حضرت نظام الدین اولیاؒ میں داخل ہوا۔ سب سے پہلے دستور کے مطابق حضرت امیر خسروؒ کے مزار پر حاضری دی۔ پھر آہستہ آہستہ سلطان جی کے مزارِ اقدس کی طرف روانہ ہوا۔ فاتحہ خوانی کے بعد میں کچھ دیر کے لئے وہیں بیٹھ گیا اس وقت میرے ذہن میں اقبال کے یہ اشعار گھومنے لگے ؎

فرشتے پڑھتے ہیں جسکو وہ نام ہے تیرا
بڑی جناب تری فیض عام ہے تیرا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ستارے عشق کے تیری کشش سے ہیں قائم
نظامِ مہر کی صورت نظام ہے تیرا
تری لحد کی زیارت ہے زندگی دل کی
مسیح و خضر سے اونچا مقام ہے تیرا
پنہاں ہے تیری محبت میں رنگِ محبوبی
بڑی ہے شان، بڑا احترام ہے تیرا

میری ناقص رائے میں ان اشعار کو پڑھنے کے لئے سلطان جی کی درگاہ سے بہتر اور کوئی جگہ نہیں ہوسکتی۔

یہ غالباً ۱۹۶۲ء کی بات ہے۔ مولانا سعید احمد اکبرآبادی مانٹریال سے علی گڈھ جاتے ہوئے چند روز کے لئے لندن میں رکے میں کیمبرج سے ان سے ملنے آیا موصوف نے میرے ساتھ ویسٹ منسٹر ایبے، بکھنگم پیلس، انڈیا آفس لائبریری اور ۱۰ ڈاؤننگ اسٹریٹ دیکھے بعد ازاں میں انہیں ہائی گیٹ کے قبرستان میں لے گیا۔ ابتداءً میں موصوف ذرا حیرت زدہ ہوئے کہ میں انہیں کہاں لے آیا ہوں جب میں نے انہیں کارل مارکس کی قبر دکھائی تو انہیں اطمینان ہوا کہ میں انہیں بلاوجہ یہاں نہیں لایا۔ مولانا فرمانے لگے کہ ہمیں اس کے نظریات سے بڑا اختلاف ہے لیکن ماننا پڑے گا کہ وہ عظیم انقلابی تھا اقبال لندن میں رہے ہیں انہوں نے بھی یہ قبر ضرور دیکھی ہوگی عین ممکن ہے کہ انہوں نے یہ اشعار اسی زمانے میں لکھے ہوں ؎

صاحبِ سرمایہ از نسلِ خلیل — یعنی آں پیغمبرِ بے جبرئیل
زانکہ حق در باطل او مضمر است — قلبِ او مومن دماغش کافر است
غربیاں گم کردہ اند افلاک را — در شکم جویند جانِ پاک را
رنگ و بو از تن نگیرد جانِ پاک — جز بہ تن کارے ندارد اشتراک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دینِ آں پیغمبرِ حق ناشناس بر مساواتِ شکم دارد اساس

تا اخوت را مقام اندر دل است

بیخ او در دل نہ در آب و گِل است

ہم کافی دیر تک اس کلیم بے تجلی اور مسیح بے صلیب کی قبر کو دیکھتے رہے یہاں انگریزوں کی فراخدلی کی داد نہ دینا بڑی بے انصافی ہو گی جب اس یہودی النسل (از نسل خلیل) مفکر کو اس کے ہم وطنوں نے جرمنی سے نکال دیا تو اسے انگلستان میں پناہ ملی جو اس زمانہ میں سرمایہ دار ملکوں میں سرِ فہرست تھا اور یہیں اس نے اپنی شہرہ آفاق تصنیف سرمایہ لکھی جس پر آج روس اور اس کے حواری ملکوں کے آئین کی بنیاد ہے۔ اگر کارل مارکس روس میں بیٹھ کر یہ کتاب لکھتا تو زار روس اسے سائبیریا کے کسی بیگار کیمپ میں بھیج دیتا۔

یہ ۱۹۶۷ء کی بات ہے میں انگلستان سے خشکی کے راستے پاکستان آتے ہوئے بیت المقدس پہونچا باب ساہرہ کے باہر ریوالی ہوٹل میں قیام کیا اور نہا دھو کر مسجد اقصیٰ اور مسجد صخرہ دیکھنے گیا حرم شریف کا دروازہ باب السلسلہ کہلاتا ہے اور اس کا بوّاب ایک ہندی نژاد مسمی اقبال احمد تھا میں نے اس سے مولانا محمد علی جوہر کے مدفن کے بارے میں سوال کیا تو اس نے ایک حجرے کی طرف اشارہ کیا میں آگے بڑھا تو ایک لوح مزار پر لبطل حریت مولانا محمد علی الہندی کندہ دیکھا میں بڑی عقیدت کے ساتھ آگے بڑھا اور فاتحہ پڑھی، اس وقت مجھے علامہ اقبال کے یہ اشعار یاد آ گئے ؎

یک نفس جان نزار او تپید اندر فرنگ

تا شرہ برہم زنیم از ماہ و پروین در گذشت

اے خوشا مشتِ غبار او کہ در جذب حرم

از کنار اندلس از ساحل بربر گذشت

خاکِ قدس او را با غوشِ تمنا در گرفت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سوئے گردوں رفت زاں راہے کہ پیغمبر گذشت

می نہ گنجد جز بآں خاکے کہ پاک از رنگ و بو ست

بندہ کو از تمیز اسود و احمر گذشت

جلوۂ او تا ابد باقی بچشم آسیاست

گرچہ آں نور نگاہِ خاور از خاور گذشت

اقبال کے ان اشعار میں سوئے گردوں رفت زاں راہے کہ پیغمبر گذشت کا لطف اس وقت آتا ہے جب زائرین مولانا جوہر کے مزار سے چند گز کے فاصلے پر اس جگہ سے گذرتے ہیں جہاں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج انبیا کرام کو نماز پڑھائی تھی اس مصرع میں سُبْحٰنَ الَّذِیْۤ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا ۔ کی طرف بلیغ اشارہ ہے اور اسی مقام سے معراج کا اگلا مرحلہ شروع ہوا تھا۔

برطانوی سامراج کو برطانوی حکومت کے پایۂ تخت میں للکارنے والے بطلِ حریت مولانا محمد علی جوہر کے مزار سے ملحقہ حجرے میں انگریزوں کا زلہ رُبا اور ناموس دین مصطفیٰ کا بیوپاری حسین شریف مکہ مدفون ہے مولانا مرحوم کی روح کے لئے اس ننگ قوم کے قرب سے بڑھ کر اور کوئی چیز باعث تکلیف نہیں ہو سکتی۔

حسین شریف مکہ نے پہلی عالمی جنگ کے دوران میں انگریزوں کے ایجنٹ کرنل لارنس کے اشارے پر ترکوں کے خلاف بغاوت کردی تھی اور حرمین شریفین میں متعین ترک محافظوں کو گاجر مولی کی طرح کاٹ کر رکھدیا تھا۔ حسین کے رویے سے مسلمانوں کے مفادات کو بڑا نقصان پہونچا۔ اقبال نے ایسے ہی غداروں کے بارے میں لکھا ہے کہ انہیں جہنم بھی قبول نہیں کرتی۔ علامہ صاحب نے میر جعفر کے بارے میں جو اشعار کہے تھے وہ حسین پر بھی منطبق ہوتے ہیں :-

جعفر اندر ہر بدن ملت کش است

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

این مسلمانے کہن ملت کش است
خندخنداں است وباکس یار نیست
مار اگر خنداں شود جز مار نیست
از نفاقش وحدتِ قومے دو نیم
ملتِ او از وجودِ او لئیم
ملتے را ہر کجا غارت گرے است
اصلِ او از صادقے یا جعفرے است
الاماں از روح جعفر الاماں
الاماں از جعفرانِ ایں زماں

مجھے ان اشعار نے شریف مکہ کے مزار پر بڑا مزہ دیا اور مجھے یوں محسوس ہوا کہ اقبال کے یہ اشعار شریف مکہ جیسے غدار کے قبر پر ہی پڑھنے کے لائق ہیں ۔

اسی سفر کے دوران مجھے قسطنطینیہ میں چار روز قیام کا موقع ملا ، اور میں نے دوبار حضرت ابوایوب خالد انصاریؓ کے مزار کی زیارت کی مجھے زندگی میں پہلی بار کسی صحابی کے مزار پر حاضری کا شرف حاصل ہوا تھا اس لئے میری خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا ۔ میں نے قسطنطینیہ کی ایک ایک تاریخی عمارت دیکھی ترکوں نے شہر کی فصیل کا بیشتر حصہ گرا دیا ہے لیکن اس دروازے کو جس سے سلطان محمد فاتح شہر میں داخل ہوا تھا محفوظ رکھا ہے قسطنطینیہ کی عظمت رفتہ ، سلاطین عثمانی کے مزارات اور ان کی تعمیر کردہ عالیشان مساجد مسجدوں کے آسمان سے باتیں کرتے ہوئے مینار ، باسفورس کے کنارے توپ کاپی کی عمارت اور اس کے اندر محفوظ تبرکات نبویؐ کی زیارت کا روح پرور نظارہ اب تک نظروں کے سامنے ہیں ۔ اقبال نے اس شہر کے بارے میں کیا خوب کہا ہے ؎

خطۂ قسطنطنیہ یعنی قیصر کا دیار مہدیٔ امت کی سطوت کا نشانِ پایدار

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

صورت خاکِ حرم یہ سرزمیں بھی پاک ہے — آستانِ مسند شہ آرائے شہ لولاک ہے

نکہتِ گل کی طرح پاکیزہ ہے اسکی ہوا — تربتِ ایوب انصاری سے آتی ہے صدا

اے مسلماں ملت اسلام کا دل ہے یہ شہر،

سینکڑوں صدیوں کی کشت وخوں کا حاصل ہے یہ شہر

جس شخص نے اس شہر کو نہیں دیکھا وہ ان اشعار سے کما حقہ حظ نہیں اٹھا سکتا، اور اسی طرح جس شخص نے امیر بایزید کے حملہ سے لیکر سلطان محمد فاتح کے حملہ تک اس شہر پر، مسلمانوں کی یلغاروں کی تاریخ نہیں پڑھی وہ بھی آخری مصرع سے لطف اندوز نہیں ہو سکتا۔

استنبول سے بروصہ تک بس میں تقریباً آٹھ گھنٹے کا سفر ہے سڑک ابنائے باسفورس اور مارمورا کے ساتھ ساتھ جاتی ہے سڑک کے ایک طرف پہاڑ اور دوسری طرف سمندر ہے اگر ڈرائیور ذرا سی غفلت برتے تو بس سمندر میں گر جائے بروصہ عثمانی سلاطین کا قدیم پایۂ تخت ہے اور قسطنطنیہ کی فتح تک یہی شہر ان کا دارالحکومت تھا۔

شہر کے وسط میں سلطان محمد اول کا سبز رنگ کا مقبرہ ہے اور اس کے قریب ہی بایزید یلدرم کا مزار ہے۔ ایک چھوٹی سی پہاڑی پر دولت عثمانیہ کا بانی عثمان خاں اور اس کا فرزند اُورخاں محو خوابِ ابدی ہیں۔ اس سے فرلانگ بھر دور ایک کنج عمیق میں مشرقی یورپ میں تہلکہ مچا دینے والا سلطان مراد ایسا جری مجاہد محو استراحت ہے سلطان کے مزار پر نظر پڑتے ہی مجھے حضرت علامہ کے یہ اشعار یاد آگئے ؎

بود معمارے ز اقلیم خجند — در فن تعمیر نام او بلند

ساخت آں صنعت گر فرہاد زاد — مسجدے ز حکم سلطان مراد

خوش نیامد شاہ را تعمیر او — خشمگیں گردید از تقصیر او

آتش سوزندہ از چشمش چکید — دست آں بیچارہ از خنجر برید

معمار نے اس ظلم و تعدی کے خلاف قاضی کی عدالت میں دعویٰ دائر کیا تو قاضی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نے سلطان کو عدالت میں طلب کر کے اسے مجرموں کے کٹہرے میں کھڑا کر دیا۔ سلطان کے اقرار جرم پر قاضی نے کہا :ے

عبد مسلم کمتر از احرار نیست — خون شہ رنگین تر از معمار نیست
چوں مراد ایں آئینہ محکم شنید — دست خویش از آستیں بیروں کشید
مدعی را تاب خاموشی نماند — آئینہ بالعدل والاحسان خواند
گفت از بہر خدا بخشیدمش — از برائے مصطفےٰ بخشیدمش
یافت مورے بر سلیمانے ظفر — سطوت آئین پیغمبر نگر
پیش قرآں بندہ و مولا یکے است — بوریا و مسند دیبا یکے است

اس وقت مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا کہ گویا یہ واقعہ میرے سامنے گزر رہا ہے قاضی القضاۃ مسند عدل پر تشریف فرما ہیں۔ ان کے سامنے قرآن مجید پڑا ہے مدعی کے کٹے ہوئے ہاتھ سے خون کے قطرے ٹپک رہے ہیں اور سلطان مراد آستین چڑھائے اپنا ہاتھ کٹوانے کے لئے تیار کھڑا ہے قاضی صاحب جلاد کی طرف دیکھ رہے ہیں اور وہ ان کے اشارۂ ابرو کا منتظر ہے میں کافی دیر اسی خیال میں مستغرق سلطان مراد کی ابدی خوابگاہ کی طرف دیکھتا رہا اس مرد مجاہد نے عدل و انصاف کا وقار کتنا بلند کر دیا ہے۔

۱۹۶۷ء میں مولانا سعید احمد اکبر آبادی تغلق آباد میں رہتے تھے۔ میں لاہور سے بچوں کو ساتھ لے کر دہلی آیا اور چھتیس روز ان کے ساتھ ٹھہرا ایک دن میں زُفر کو ساتھ لے کر مہرولی پہنچا اور اسے قطب مینار اور مسجد قوت الاسلام دکھائے یہ مسجد اب بالکل شکستہ حالت میں ہے البتہ اس کی ایک بلند و بالا محراب آفات سماوی و ارضی کا مقابلہ کرنے کے لیے اب تک اپنی اصلی حالت میں کھڑی ہے ایک بار پروفیسر محمد مجیب ایک روسی آرٹسٹ کی معیت میں اسے دیکھنے آئے تو اس آرٹسٹ نے انہیں بتایا کہ اسے اس محراب میں وہ کامل سکون نظر آتا ہے جو گوتم بدھ کے مجسموں کی شان ہے اس میں ایلی فینٹا کے غاروں کی تری مورتی کا ابدی مراقبہ ہے۔ اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں صوفی کا وجد ہے عاشق کامل کا صبر اور وہ دل آویزی ہے جسے بیان کرنے کی آرزو شاعروں کے دل کو حسرت سے آباد رکھتی ہے یہ محراب فن سنگ تراشی سے بالاتر کوئی چیز ہے ایک دروازہ جس سے گزر کر ہم تصورات اور احساسات کی ایک لامحدود فضاء میں پہونچ جاتے ہیں۔

مسجد قوۃ الاسلام دہلی مرحوم کی عظمت رفتہ کی یادگار ہے اقبال نے اندلس میں مسجد قرطبہ کو دیکھ کر جن خیالات کا اظہار کیا تھا وہ اس مسجد پر بھی منطبق ہوتے ہیں قوت الاسلام کے صحن میں کھڑے ہو کر جب میری نظر قطب مینار پر پڑی تو مجھے اقبال کے یہ اشعار یاد آگئے ؎

تیرا جلال و جمال، مرد خدا کی دلیل — وہ بھی جلیل و جمیل، تو بھی جلیل و جمیل
تیری بنا پائیدار، تیرے ستون بیشمار — شام کے صحرا میں ہو جیسے ہجوم نخیل
تیرے در و بام پر وادیٔ ایمن کا نور — تیرا منار بلند جلوہ گہ جبرئیل
مٹ نہیں سکتا کبھی مرد مسلماں کہ ہے — اس کی اذانوں سے فاش سر کلیم و خلیل

۱۹۵۸ء میں مجھے تیرہ دن "خطہ مینو نظیر" میں گذارنے کا موقع ملا۔ اس سے کچھ عرصہ پیشتر مجھے امیر کبیر سید علی ہمدانی "پر سیدہ اشرف بخاری کا ڈاکٹریٹ کا مقالہ شائع کرنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ میرے دل میں اس بزرگ کی بڑی عزت تھی موصوف خود تو کولاب (علاقہ روس) میں مدفون ہیں لیکن ان کی خانقاہ سری نگر میں تاحال مرجع خلائق ہے خانقاہ معلیٰ کی شاندار عمارت دریائے جہلم کے کنارے کھڑی ہے میں نے اس عمارت کو دیکھا تو مجھے وہ اشعار یاد آگئے جن میں علامہ اقبال نے شاہ ہمدان کو خراج عقیدت پیش کیا ہے حضرت علامہ فرماتے ہیں

مرشد آں کشور مینو نظیر — میر و درویش و سلاطیں را مشیر
خطہ را آں شاہ دریا آستیں — داد علم و صنعت و تہذیب و دیں
آفرید آں مرد ایران صغیر — با ہنر ہائے غریب و دلپذیر
یک نگاہ او کشاید صد گرہ — خیز و تیرش را بدل راہے بدہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایک دوسرے موقع پر علامہ مرحوم نے مرشد آں کشور مینو نظیر کے بارے میں کیا خوب فرمایا ہے

سیدِ آں ذات سالارِ عجم — دستِ او معمارِ تقدیرِ امم

مجھے چونکہ سیدہ اشرف کے مقالہ کو بار بار پڑھنے کا موقع ملا تھا اس لئے مجھے اس معمارِ تقدیرِ امم کے کارناموں سے بخوبی واقفیت بھی ہے۔ بریں وجہ مجھے ان اشعار نے جو مزہ خانقاہ مولیٰ کے صحن میں دیا ویسا مزہ شاید ہی کسی نے لیا ہو۔

۱۹۶۷ء کے اوائل میں مجھے قونیہ میں حضرت مولانا جلال الدین رومی کے مزار پر حاضری کی سعادت حاصل ہوئی ان کے مزار کے صدر دروازے پر یہ شعر کندہ ہے۔

کعبۃ العشاق باشد ایں مقام — ہر کہ ناقص آمد اینجا شد تمام

میں اس شعر کا لطف اٹھاتا ہوا خانقاہ میں داخل ہوا اس وقت وہاں ٹیپ ریکارڈ چل رہا تھا جس میں نے بج رہی تھی کسی نے نوازنے بڑے دردانگیز لے میں مثنوی معنوی ٹیپ کروائی تھی جب یہ اثرین ایک پرشکوہ گنبد میں مولانا رومی کے مزار کے سامنے کھڑے ہوتے تو نے کی آواز سن کر ان کے آنسو نکل آتے۔ ترک ان کا اتنا احترام کرتے ہیں کہ میں نے بعض عقیدتمندوں کو وہاں سربسجود دیکھا۔

یہ وہی تاریخی بلکہ تاریخ ساز خانقاہ ہے جس میں مولانا اپنی ابتدائی زندگی میں

از تشکک گفت واز اشراق گفت — وز حکم صد گوہرِ تابندہ سفت
عقدہ ہائے قولِ مشائیں کشود — نورِ فکرش ہر خفی را وانمود
گرد و پیشش بود انبارِ کتب — بر لبِ او شرحِ اسرارِ کتب

پھر ایک دن کیا ہوا کہ

پیرِ تبریزی ز ارشادِ کمال — جست راہِ مکتبِ ملا جلال
گفت ایں غوغا و قیل و قال چیست — ایں قیاس و وہم و استدلال چیست

مولوی رومی نے ایک بار پریشان حال اجنبی کی زبان سے یہ کلمات سن کر کہا

مولوی فرمود ناداں لب ببند — بر مقالاتِ خردمنداں مخند
پائے خویش از مکتبم بیروں گذار — قیل و قال است ایں ترا با وے چہ کار

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قالِ ما از فہم تو بالاتر است　　شیشۂ ادراک را روشن گر است

پھر کیا ہوا ؎

سوزِ شمس از گفتۂ ملا فزود　　آتشے از جان تبریزی کشود

بر زمیں برقِ نگاہِ او فتاد　　خاک از سوزِ دمِ او شعلہ زاد

آتشِ دل خرمنِ ادراک سوخت　　دفترِ آں فلسفی را پاک سوخت

اُدھر عالم یہ تھا اور اِدھر ؎

مولوی بیگانہ از اعجازِ عشق　　ناشناسِ نغمہائے سازِ عشق

گفت ایں آتش چساں افروختی　　دفترِ اربابِ حکمت سوختی

مولوی صاحب کی بات سن کر شمس تبریزی نے جواب دیا ؎

گفت شیخ اے مسلمِ زنار دار　　ذوق و حال است ایں ترا با وے چہ کار

حالِ ما از فکرِ تو بالاتر است　　شعلۂ ما کیمیائے احمر است

مولانا رومی نے یہ سن کر کہا ؎

صد کتاب و صد ورق در نار کن
روئے خود را جانبِ دلدار کن

قونیہ میں مولانا رومی علیہ الرحمۃ کے مزار کے احاطے میں ان اشعار نے جو سرور دیا اس کی چاشنی اب تک لذتِ کام و دہن کا کام دے رہی ہے۔

۱۹۶۹ء میں دکن کے سفر میں مجھے خلد آباد جانے کا اتفاق ہوا لب سڑک آمنے سامنے دو خانقاہیں ہیں ایک خانقاہ میں حضرت برہان الدین غریبؒ۔ نظام الملک آصف جاہ ناصر جنگ شہید اور کئی نامور ہستیاں محوِ خوابِ ابدی ہیں۔ دوسری خانقاہ میں حضرت زین العابدین استراحت فرما ہیں۔ ان کے مزار کے پائینتی ایک حجرے میں شہزادہ محمد اعظم اور دوسرے حجرے میں شاہ عالمگیر گردوں آستاں مدفون ہیں۔ گردوں آستاں کی قبر کچی ہے اور اس پر ایک ناز بو کا پودا اُگا ہوا تھا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں نے مجاور سے پوچھا کہ ان کی قبر اتنی سادہ کیوں ہے؟ اس نے کہا کہ اور چھ روپے میں کیا بن سکتا تھا اسکا اشارہ اس رقم کی طرف تھا جو بادشاہ نے اپنے کفن دفن کے لئے چھوڑی تھی میں کافی دیر تک سر جھکائے وہاں ٹھہرا رہا اس وقت میرے ذہن میں اقبال کے یہ اشعار تھے :-

شاہ عالمگیر گردوں آستاں　　اعتبار دودمان گورگاں
پایۂ اسلامیاں برتر ازو　　احترام شرع پیغمبر ازو
درمیان کارزار کفر و دیں　　ترکش مارا خدنگ آخریں
تخم الحادے کہ اکبر پرورید　　باز اندر فطرت دارا دمید
شمع دل در سینہ ہا روشن نبود　　ملت ما از فساد ایمن نبود
حق گزید از ہند عالمگیر را　　آں فقیر صاحب شمشیر را
از پئے احیائے دیں مامور کرد　　بہر تجدید یقیں مامور کرد
برق تیغش خرمن الحاد سوخت　　شمع دیں در محفل ما برفروخت
کور ذوقاں داستانہا ساختند　　وسعت ادراک اونشناختند
شعلۂ توحید را پروانہ بود　　چوں براہیم اندریں بت خانہ بود
درصف شاہنشہاں یکتاستے　　فقر او از تربتش پیدا ستے

اس آخری بند کے دوسرے مصرع کا لطف اسی وقت آسکتا ہے جب چھ روپے کی لاگت سے تیار ہونے والی قبر سامنے ہو۔ تاج محل کے احاطے میں یہ مصرع پڑھنے سے خاک مزہ نہ آئے گا۔

اورنگ زیب عالمگیر کی وفات کے بعد پنجاب میں ناظموں کا دور حکومت شروع ہوا، یہ لوگ حضرت خواجہ ناصر الدین عبید اللہ احرار کی نسل سے تھے، تقوی اور پرہیز گاری عدل اور انصاف اس خاندان کا طرۂ امتیاز تھا۔ اس خاندان کی ایک عظیم المرتبت خاتون شرف النساء بیگم پورہ لاہور میں مدفون ہے اسے مطالعہ کا بڑا شوق تھا اور اس کا زیادہ تر وقت اسی شوق کی نذر ہوتا تھا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ نیک خاتون ہمیشہ اپنے پاس مصحف پاک کا ایک نسخہ اور ایک دو دھاری تلوار رکھتی تھی اس نے مرتے وقت یہ وصیت کی تھی کہ مرنے کے بعد بھی ان دونوں تبرکات کو اس سے جدا نہ کیا جائے۔ اس کی خواہش کے مطابق قرآن مجید اور تلوار اس کے تابوت میں رکھدیئے گئے۔ عوام کے نزدیک یہ ایک معمولی سی بات تھی لیکن شاعر مشرق نے اس سے بڑا اچھا نتیجہ اخذ کیا ہے مجھے پروفیسر محمد شجاع الدین مرحوم کے ہمراہ کئی بار اس مقبرہ کو دیکھنے کا موقع ملا۔ میں جب بھی وہاں گیا مجھے حضرت علامہ کی مشہور نظم قصر شرف النسا ریاد آگئی، موصوف شرف النسا کے بارے میں لکھتے ہیں ؎

قلزم ما ایں چنیں گوہر نزاد | ہیچ مادر ایں چنیں دختر نزاد
خاک لاہور از مزارش آسمان | کس نداند راز او را در جہاں
آں سراپا ذوق و شوق و درد و داغ | حاکم پنجاب را چشم و چراغ
آں فروغ دودۂ عبدالصمد | فقر او نقشے کہ ماند تا ابد
تا ز قرآں پاک می سوزد وجود | از تلاوت یک نفس فارغ نبود
در کمر تیغ دو رو قرآں بدست | تن بدن ہوش و حواس اللہ مست
خلوت و شمشیر و قرآن و نماز | اے خوش آں عمرے کہ رفت اندر نیاز
بر لب او چوں دم آخر رسید | سوئے مادر دید و مشتاقانہ دید
گفت اگر از راز من داری خبر | سوئے ایں شمشیر و ایں قرآں نگر
ایں دو قوت حافظ یک دیگر اند | کائنات زندگی را محور اند
اندریں عالم کہ میرد ہر نفس | دخترت را ایں دو محرم بود و بس
وقت رخصت با تو دارم ایں سخن | تیغ و قرآن را جدا از من مکن
دل بہ آں حرفے کہ می گویم بنہ | قبر من بے گنبد و قندیل بہ

تقریباً پون صدی تک قرآن و تلوار اس کی قبر میں موجود رہے جب پنجاب سکھوں

© rasailojaraid.com